بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

دعوت اسلامی، انقلاب اسلامی اور احیائے اسلام وغیرہ الفاظ گذشتہ چند عشروں سے قریب قریب سبھی اسلامی زبانوں میں استعمال ہو رہے ہیں، جب سے عالم اسلام نے سیاسی آزادی حاصل کی ہے اور مختلف مسلم مملکتیں جابجا قائم ہوئی ہیں اس وقت سے سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ تہذیبی آزادی، دینی شعور، علمی احیاء اور فکری نشاۃ ثانیہ کی ضرورت کا احساس روز بروز قوی سے قوی تر ہوتا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی نگاہیں اب ایک بار پھر اس ماحول اور معاشرہ کی جھلک دیکھنے کے لئے بیتاب ہیں جس کی بنیاد آج سے چودہ سو سال قبل یثرب کی ننھی سی بستی میں رکھی گئی تھی۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، پیغمبر عربی کے برپا کردہ اس معاشرے کی گہرائیوں اور پنہائیوں کا شعور وادراک ہر شخص اپنی اپنی بساط وصلاحیت کے مطابق ہی کر سکتا ہے، کوئی کم کوئی

زیادہ کسی کی نظر اس کے دعوتی اور تبلیغی پہلو پر زیادہ ہے اور وہ دعوت اسلامی یا تبلیغ اسلامی کی اصطلاحات سے اس کو بیان کرتا ہے، کسی کے خیال میں اس دعوت نے جو مکمل اور انقلابی تبدیلی پیدا کی وہ اصل اہمیت رکھتی ہے اس لئے اس کو اسلامی انقلاب کی اصطلاح زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے، بعض دوسرے اصحاب کی رائے میں یہ دعوت وانقلاب ایک جہد مسلسل اور سعی پیہم سے عبارت ہے اس لئے وہ اس کے لئے اسلامی تحریک کی اصطلاح کو مناسب گردانتے ہیں۔

لیکن دانا الفاظ کے پیچ وخم میں نہیں الجھا کرتے، اصطلاحات وعبارات جو بھی ہوں حاصل سب کا ایک ہی ہے، الفاظ وکلمات مختلف ہیں لیکن مدعا سب کا ایک ہی ہے، یہاں الفاظ میں تو تفاوت معلوم ہوتا ہے معانی میں کوئی تفاوت نہیں، سب اس صبح درخشاں کے منتظر ہیں جب دھر میں اسم محمد سے اجالا ہوگا اور اس تیرہ خاکدان کا ذرہ ذرہ ایک بار پھر ہمدوش ثریا ہوگا۔

لیکن اس سحر منتظر کی نمود جہد مسلسل کے بغیر ممکن نہیں، اس صبح درخشاں کا طلوع سعی پیہم ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ جس رحمت عالم نے زندگی کی دوسری مصروفیات ومشاغل کے بارے میں انسانوں کی راہنمائی فرمائی وہ اس بنیادی ذمہ داری سے کیسے غافل ہو سکتے تھے۔ انہوں نے انسان کے اس اہم ترین اور اولین فریضہ کی ادائیگی کی بابت بھی ممکن راہنمائی فراہم کی۔

اعلائے کلمۃ الحق، اقامت دین اور احیائے اسلام کا اعلیٰ ترین مقصد ایک مسلسل جہاد کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا، یہ جہاد جو بعثت نبوی سے شروع ہوا تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ اس کا سب سے پہلا مرحلہ دعوت وتبلیغ اور اتمام حجت ہے۔

آج پورے عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان میں دینی بیداری کی مبارک لہریں ہر جگہ پھیل رہی ہیں آج ہمارے ارباب حل وعقد اور اصحاب علم و دانش جن پر ترویج شریعت و اقامت دین کا فریضہ عائد ہوتا ہے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے دعوتی و تبلیغی پہلو پر بطور خاص گہری نظر رکھنی چاہیئے۔ تبلیغی کامیابی کے لئے مبلغ کا اپنے مشن سے ایسا والہانہ لگاؤ اور عشق ہونا چاہیئے کہ دنیا کی ہر محبوب چیز اس کے سامنے ہیچ ہو، کوئی دنیاوی ترغیب و تحریص مبلّغ کو نہ اپنی رائے سے باز رکھ سکے اور نہ کوئی ترغیب و تہدید اسے اپنے موقف سے ہلا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لافانی ارشاد کہ "اگر مکہ والے میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دیں تو اپنے ارادہ سے باز نہ آؤں گا"، ہر مبلّغ اور قائد کے پیش نظر رہنا چاہیئے۔ ارادہ میں کمزوری اور یقین میں کمی پیدا ہو جائے تو تبلیغی سرگرمی کا سارا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ فاستقم کما امرت، (اے رسول! حکم الٰہی کے مطابق جمے رہو) میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم نفاذ اسلام کے کام کو آگے بڑھاتے جاؤ۔

مبلّغ کو مخلوق خدا سے اجر و طمع کی بھی امید نہیں رکھنی چاہیئے، یہ خیال کئے بغیر کہ میرے تبلیغ اسلام کے عمل سے عوام میں کیا ردعمل ہوگا، حکم الٰہی پر عمل کرنا اور کرانا چاہیئے۔ یہی سنت انبیاء اور اسوۂ رسل ہے۔ قرآن مجید میں ہر پیغمبر کی زبان سے یہ الفاظ ضرور بیان کئے گئے ہیں، لااسئلکم علیہ اجراً ان اجری الا علی اللہ۔ (میں تم سے اپنی تبلیغ کے عوض کسی قسم کا کوئی اجر نہیں چاہتا میرا معاوضہ بس اللہ کے پاس ہے) مگر ہاں وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً کے تحت موقعہ و محل کے مطابق اور مخاطبین کے فہم کی سطح کو پیش نظر رکھ کر بات کرنی چاہیئے۔

کسی مبلغ کے لئے سب سے اہم شرط بلکہ ایسی شرط جو تمام شرائط کو محیط ہے وہ ہے مبلّغ کا سراپا نمونۂ عمل ہونا، کامیاب داعی وہی ہے جس کی ذات میں دنیا کو اس کی دعوت چلتی پھرتی

نظر آئے، جو مجسم تبلیغ ہو، جس کا مرنا جینا جس کا آرام و راحت اور جس کا کھانا اور پینا تک سب دعوت کے لئے ہو۔ کان خلقہ القرآن کا یہی مفہوم ہے۔

داعی کا اخلاقی کردار اتنا بلند ہو کہ بڑے سے بڑے مخالف اور دشمن کو کسی جہت سے بھی اس پر نکتہ چینی کا موقعہ نہ مل سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا یہ پہلو اس قدر روشن ہے کہ عہد نبویؐ سے لے کر آج تک مخالفین اسلام کو اس پہلو پر کہنے لکھنے کے لئے کچھ نہیں ملا۔ یہ آپ کی پاکیزگیٔ کردار کا ہی اعجاز تھا کہ ۲۲ سال کی نبوّی زندگی میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام مستنیر و مستفیض ہوئے اور کامل ہدایت کے اہل قرار دیئے گئے، تاریخ انسانی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر و عاجز ہے۔ اولین زمانہ نبوت کی طرف نگاہ ڈالیں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے تمام روساء کو دعوت حق دیتے ہیں تو سوائے صدیق اکبر اور علی المرتضیٰ کے کوئی بھی خوش بخت نہیں جو لبیک کہہ سکے۔ مگر یہی پیغمبر اعظم جو "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کے اعزاز سے سرفراز ہیں فتح مکہ کے موقعہ پر روانہ ہوتے ہیں تو کم و بیش دس ہزار جان نثار قدوسیوں کی جماعت ان کے پابہ رکاب ہے اور وہ فضائیں جو کبھی پرستاران توحید کی چیخ و پکار سے لرز جاتی تھیں آج تکبیر و تقدیس کے غلغلوں سے معمور ہیں۔

آخر یہ کس کے حسن کردار کی کرشمہ سازی تھی کہ عرب جیسے قبیلہ پرست اور قومیت پرست معاشرے میں آپ نے ایک ایسی نئی ملت کی داغ بیل ڈال دی جو ہر قسم کے تفرقے اور نسلی و لسانی عصبیت سے پاک و صاف تھی، جس کی بنیاد توحید و رسالت پر تھی، ایک کلمہ توحید پر ایمان لانے والے خواہ مشرق کے تھے یا مغرب کے، ان کی جلد کا رنگ جو بھی تھا، کوئی سی بھی زبان بولتے تھے ایک ملت اسلامیہ کے فرد بن گئے۔ وہ ابیض تھے یا احمر، یونانی بولتے تھے یا سریانی مشرق کے تھے یا مغرب کے، ان کی زبان سے وہی زمزمہ حق بلند ہوتا تھا جو ازلی و ابدی ہے، جو لازمانی اور لامکانی ہے۔

سخن از بہر حق گویم چہ یونانی چہ سریانی
مکان از بہر دین جویم چہ جابلقا چہ جابلسا

یہ آپ کا اعجاز ہی تھا کہ مجرم خود بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے جرائم کا اعتراف کرتے اور سزا کا مطالبہ کرتے۔ آج ہماری تبلیغی سرگرمیوں کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہونے کا حقیقی اور بنیادی سبب ہمارے قول و فعل کا تضاد ہے، ہمارا باطن ہماری زبان کا ہمنوا نہیں ہوتا، قول، فعل سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری بات اثر انگیز نہیں ہوتی، قلب پہ کوئی پائیدار نقوش ثبت کئے بغیر ایک کان سے داخل ہوتی ہے تو دوسرے کان سے خارج ہو جاتی ہے۔ والدین اولاد کو سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں، رشوت کو برا عمل قرار دیتے ہیں مگر جب اولاد انہیں دن بھر جھوٹ بولتے ہوئے دیکھتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان کے گھر کی تزئین و آرائش اور تمام تر سامان رشوت کے مال سے ہی آیا ہے تو وہ اپنے والدین کی تلقین و ہدایات پہ کیونکر عمل کر سکتے ہیں ؟

ہمارے علمائے کرام اتحاد کا درس دیتے ہیں، وعتصموا بحبل اللہ جمیعاً کی مبسوط تفسیر بیان فرماتے ہیں مگر اس سے متصل اپنے سے اختلاف رکھنے والے دوسرے مسلمانوں کو کافر گردانتے ہیں، اپنے مقتدیوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ ان کی سرکوبی کریں انہیں جائز و ناجائز طریقوں سے تنگ کریں تو کیا اس کیفیت میں اتحاد کے درس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے!

آج اگر راہنمایان اور مبلغین اسلام اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ اسلامی اقدار و روایات کا دور دورہ ہو تو وہ سیرت نبوی کی روشنی میں تبلیغی فریضہ سرانجام دیں، اپنا ذاتی نمونہ پیش کریں اس لئے کہ اس کے بغیر کسی کامیاب تبلیغ کا تصور بھی ممکن نہیں۔

(مدیر)